مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

قسط نمبر ۵

نظریہ وحدت الوجود

وحدت الوجود یہ ہے کہ کائنات کی ہر ایک چیز کائنات کے پھیلے ہوئے حصّوں میں سے ایک حصہ ہے۔ کسی ایک چیز کی دوسرے سے غیریت نہیں، سب موجودات میں مکمل وحدت پائی جاتی ہے گویا خدا کا کائنات سے اس طرح تعلق ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا یا بالفاظ دیگر مادہ کی محدود دنیا خدا سے الگ اپنا کوئی مستقل وجود نہیں رکھتی "ہمہ اوست" اسی نظریہ کا دوسرا نام ہے جس کے مطابق خدا ہی سب کچھ ہے اور سب کچھ ذات باری تعالیٰ ہے۔ یہ کائنات خدا سے الگ کوئی مخلوق نہیں، بلکہ یہ کائنات ہی خدا اور خدا ہی کائنات ہے۔ وحدت الوجود کے قائلین اس کائنات کی مثال ایک بحر بیکراں سے دیتے ہیں جس میں ہر وقت موجیں اور حباب اٹھتے ہیں اور پھر اسی میں گم ہو جاتے ہیں۔ یہی صورت اس کائنات میں حوادث کی ہے۔ ہر آن نئی نئی اشیاء وجود میں آتی اور پھر اسی میں گم ہو جاتی ہیں۔

دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے "ہمہ اوست" کا یہ عقیدہ کسی نہ کسی شکل میں اختیار نہ کیا ہو۔ ہندوؤں کے ہاں اس عقیدہ کا علمبردار شنکر اچاریہ بتلایا جاتا ہے ہندوستان میں اس عقیدہ کی ہمہ گیری کا اندازہ اپنشد کے مندرجہ ذیل اشلوکوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

(اے ذات برحق) تم تو آگ ہو،
تم تو سورج ہو،
تم ہوا ہو،
تم چاند ہو،
تم ستاروں سے روشن فلک ہو،
تم برہمن اعظم ہو،
تم جل ہو،
تم فی الحقیقت ان ساری چیزوں کے خالق ہو۔ (اپ نشد، ترجمہ از سوامی دیانند)

ہندو مذہب کا ایک فرقہ جین مت کائنات کی ہر چیز کو خدا ہی تصور کرتا ہے اس وجہ سے ہندو سورج، چاند، شجر، حجر، غرض ہر چیز کو خدا ہی سمجھ کر اس کو اور اپنے اوتاروں کے مجسموں کو پوجتے ہیں۔ وہ "ہمہ اوست" کی بجائے "ہر ہمہ ہر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

عیسائیوں میں اس نظریہ کی موجودگی کا اندازہ ایک راہب کے مندرجہ ذیل بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ جن الفاظ میں اپنے قلبی واردات کا اظہار کر رہا ہے اس میں حلول اور وحدت الوجود دونوں پر روشنی پڑتی ہے۔

"مجھے آج تک وہ رات، بلکہ پہاڑی پر وہ جگہ اچھی طرح یاد ہے جبکہ میری روح لامحدود میں گم ہو گئی تھی اور دونوں عالم یعنی عالم داخلی اور عالم باطنی دونوں ایک دوسرے سے مل گئے تھے۔ جیسے کہ ایک گہرا سمندر دوسرے گہرے سمندر کو پکار رہا ہو، میری روح ذات مطلق میں پوری طرح گم تھی۔ مجھے خارجی دنیا کا احساس تک باقی نہ رہا تھا۔ مجھ پر ایک ناقابل بیان کیف و مستی کا عالم طاری تھا اور مجھے چند لمحوں کے لئے یہ محسوس ہوا کہ میں کائنات اور خالق کائنات ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ ہیں جس طرح کہ کسی راگ کی مختلف دھنیں ایک نغمہ میں شامل ہو کر اپنی انفرادیت کھو دیتی ہیں"

(RELIGEOUS EXPERIENCE P144 BY WILLM JAMES)

اسلام میں نظریہ وحدت الوجود کی درآمد

اسلامی تاریخ میں اس کے علمبردار تو شیخ محی الدین ابن عربی المعروف شیخ اکبر (م ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء) تسلیم کئے جاتے ہیں لیکن تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ ان سے پہلے بھی مسلمان صوفیہ میں موجود تھا۔ اسلام میں تصوف کا آغاز دوسری ہجری کے وسط سے شروع ہوا۔ اور تیسری صدی میں پروان چڑھا۔ اس دور کے سب صوفیہ میں کم و بیش یہ نظریہ موجود تھا۔ ایسے شواہد تو ہم بعد میں پیش کریں گے۔ سردست ہم ابن عربی کی تعلیمات سے آپ کو متعارف کرائیں گے۔ جنہوں نے فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم جیسی کتابیں لکھ کر اس نظریہ کو صوفیہ کے عقائد میں داخل کر دیا اور پھر اپنی ساری زندگی اسی عقیدہ کی آبیاری میں کھپا دی وہ اپنا نظریہ توحید ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

ابن عربی اور اسکی توحید

"ایک توحید عقل والے کی ہے اور ایک توحید عارف صاحب تجلیات کی۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ صاحب عقل توحید کا شعر یوں پڑھے گا۔

وفی کلِّ شئٍ لہٗ آیۃٌ — اور ہر ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے
تدلُّ علی أنّہٗ واحدٌ — ایک نشانی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہے۔

اور صاحبِ تجلی کا شعر یوں ہوگا ؎

وفی کلِّ شئٍ لہٗ آیۃٌ — اور ہر ایک چیز میں اس کے لئے ایک نشانی ہے جو
تدلُّ علی انہٗ عینُہٗ — اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اسی کا عین ہے

ابنِ عربی نے خدا اور بندے کے تعلق کو کیوں کر ختم کیا وہ بھی ملاحظہ فرمائیے، فتوحاتِ مکیہ جلد اوّل کے پہلے صفحے پر ہی فرماتے ہیں:۔

(۱) الربُّ حق والعبدُ حق — یا لیت شعری من المکلّف
(۲) ان قلتَ عبدٌ فذلک میتٌ — أو قلتَ ربٌّ أنّی یکلف

ترجمہ (۱) پروردگار بھی حق ہے اور بندہ بھی حق ہے۔ کاش میں معلوم کر سکتا کہ ان میں سے مکلّف (مطیع) کون ہے۔
(۲) اگر تم کہو کہ مکلّف بندہ ہے تو بندہ تو مردہ اور میت ہے اور اگر کہو کہ رب ہے تو وہ بھلا کیسے مکلّف ہو سکتا ہے

لیجئے تمام احکام شرعیہ کی پابندی اور تعمیل سے چھٹی ہوتی۔ یہ ہیں بندہ اور خدا سب کو عین ذات سمجھنے کے مزے۔ آپ اسی مضمون کو اپنے رسالے "رسائل ابن العربی کتاب الجلالۃ صـ۱۲ پر یوں ادا فرماتے ہیں ؎

فیا لیت شعری من یکون مکلفا — وما ثَمَّ الا اللّٰہ لیس سواہٗ

ترجمہ:۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ مکلّف کون ہے؟ درآنحالیکہ یہاں اللہ کے سوا کسی کا وجود نہیں ہے۔

فصوص الحکم کی تعلیمات

اب فصوص الحکم کی داستان بھی سن لیجئے۔ فصوص، فص بمعنی نگینہ کی جمع ہے اور فصوص الحکم بمعنی دانائی کے نگینے۔ یہ کل ۲۷ فص یا نگینے ہیں۔ ہر ایک فص کو قرآن کریم میں مذکور ستائیس انبیاءؑ سے منسوب کیا گیا ہے۔

ابن عربی کا دعوٰی ہے کہ ان فصوص کا علم مجھے مشاہدے سے حاصل ہوا ہے۔ میں نے اِسے لوحِ محفوظ سے نقل کیا ہے۔ بعد میں ۶۲۷ھ کے محرم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دمشق کے شہر

محروسہ میں دیکھا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا یہ کتاب فصوص الحکم ہے اس کو محفوظ کرو اور لوگوں کے سامنے پیش کرو تاکہ انہیں فائدہ پہنچے۔ چنانچہ میں نے آپ کے حکم کے مطابق اسے لوگوں میں پھیلانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور اس میں کمی بیشی کرنا میرے لئے ممکن نہ رہا (فصوص الحکم ص ۴۷، ۵۸)

آپ بھی یقیناً ایسی معرکۃ الآرا کتاب کے مندرجات سے مستفید ہونا پسند فرمائیں گے۔ اس کتاب میں ابن عربی نے قرآن کی تعلیمات کی تحریف کر کے اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور وحدت الوجود کی عینک چڑھا کر ہر واقعہ پر تبصرہ فرماتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ قوم ہود بھی صراط مستقیم پر تھی، فرعون بھی کامل الایمان تھا۔ اور قوم نوح بھی۔ اللہ پاک نے قوم نوح اور فرعون کو ان کے نیک اعمال کا بدلہ دیتے ہوئے وحدت الوجود کے سمندر میں غرق کیا۔ اور قوم ہود کو عشق الٰہی کی آگ میں داخل کیا۔ تاکہ اسے عیش و آرام حاصل ہو۔ ہارونؑ سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ انھوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے منع کیا۔ حالانکہ بچھڑا بھی خدا تھا یا خدا کا عکس، اور نوح کی قوم نے بھی بہت اچھا کردار ادا کیا جو بت پرستی سے باز نہ آئے۔ کیونکہ یہ تمام بت خدا ہی کے مظاہر تھے جہنم عذاب کی جگہ نہیں بلکہ اس میں حلاوت اور شیرینی موجود ہے[1]۔ (وہ عذاب کو عذوبت سے مشتق قرار دیتا ہے) وغیر ذالک من الخرافات۔

ابن عربی نے یہ مسئلہ تو ظاہر کر دیا کہ تمام بت پرست اقوام حق پر تھیں اور یہ بھی حل فرما دیا کہ انہیں جو اس بت پرستی کے بدلہ میں عذاب ہوگا۔ در اصل عذاب نہیں بلکہ شیرینی اور حلاوت اور ان کے نیک اعمال کا اچھا بدلہ ہے۔ اب صرف یہ الجھن باقی رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالے نے انبیاء کو پھر کس غرض کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ کاش وہ اس بات کا بھی تسلی بخش جواب دے کر دین طریقت کی حقانیت ثابت کر دیتے۔

ابن عربی ایک بہت بڑے عالم، ادیب، شاعر اور صوفی تھے۔ انہی مذکورہ کتابوں میں اپنی بے شمار کرامات بیان کرتے ہیں۔ ان کرامات و مشاہدات کا انداز بالکل وہی ہے۔ جو عام پیروں فقیروں کا ہوتا ہے۔ مثلاً کعبہ اللہ اور اس کے طواف سے متعلق اپنا ایک واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

ابن عربی اور کعبۃ اللہ

"ایک مرتبہ کعبۃ اللہ کو مجھ پر بڑا طیش آگیا۔ وہ اپنی بنیادوں سے بلند ہو کر ابن عربی پر گر جانا چاہتا تھا۔ ابن عربی نے حجر اسود کو ڈھال بنایا۔ انھوں

[1] امام ابن تیمیہ از کوکن عمری، زیر عنوان "صوفیہ پر تنقید"

نے کعبۃ اللہ کو یہ کہتے ہوئے صاف طور پر سنا کر ذرا نزدیک تو آؤ، دیکھو میں تمہیں کیا کرتا ہوں۔ کب تک میری قدر گھٹاتے رہو گے۔ اور عارفین کو مجھ پر فضیلت دیتے رہو گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے لئے عزت اور بڑائی ہے۔ میں ہرگز ہرگز تمہیں اپنا طواف نہیں کرنے دوں گا۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے سوچا کہ اللہ تعالےٰ مجھ کو ادب سکھانا چاہتا ہے، میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور کعبہ کی تعریف شروع کر دی۔ جوں جوں میں اس کی تعریف کرتا جا رہا تھا اس کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوتا جا رہا تھا اور وہ اپنی بنیادوں پر جمتا جا رہا تھا۔ اس نے پھر میری طرف اشارہ کرتے کہا کہ میں طواف شروع کر دوں جب میں حجر اسود کے پاس پہنچا تو میری زبان سے کلمہ شہادت نکلا جو حجر اسود میں متمکن ہو گیا۔ میں نے کعبہ کی تعریف میں کئی رسائل لکھے ہیں جن کو تاج الرسائل کے نام سے مرتب کر دیا ہے" (فتوحات مکیہ ج ۱ ص ۷۰۰، ۷۰۱)

اس وحدت الوجود کے عقیدہ کا جو اثر آپ کی ذات والاصفات پر مترتب ہوا اسکی بھی ایک جھلک ملاحظہ فرما لیجئے اور ایک دوسری کرامت بھی۔

"آپ نے اپنی دو سال سے بھی کم عمر بچی زینب سے جماع کے متعلق ایک مسئلہ پوچھا تو وہ فوراً بول پڑی۔ یہ دیکھ کر بچی کی ماں اور نانی فوراً چیخ پڑیں اور بچی کی نانی تو بے ہوش ہو گئی"

فتوحات مکیہ جلد ۳ ص ۱۷

ابنِ عربی اور علمائے حق

ہم یہ تو بتلا چکے ہیں کہ یہ عقائد وحدت و حلول دین طریقت یا تصوف کی جان ہیں۔ تو جب سے تصوف اسلام میں داخل ہوا یہ عقائد بھی شامل ہوتے گئے۔ پھر جس طرح حسین بن منصور حلاج نے کھل کر عقیدہ حلول کو پیش کرنے اور اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور مقتول ہوا، بعینہ یہی صورت شیخ اکبر کی تھی۔ چونکہ عقیدہ وحدت الوجود قرآن کی تعلیمات سے براہِ راست متصادم تھا اس لئے علمائے دین مخالف ہو گئے۔ چنانچہ جب یہ مصر پہنچے تو علمائے کرام نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا اور سلطان مصر نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ یہ بات ابن عربی کو بھی معلوم ہو گئی تو چپکے سے مصر سے راہ فرار اختیار کی اور دمشق پہنچ گئے۔ باقی عمر درس و تدریس میں گزار کر ۶۳۸ھ کو راہی ملکِ عدم ہوئے (حقیقت وحدت الوجود ص ۹۰)

ابن عربی اور اشرف علی تھانوی

تو جس طرح صوفیہ کی نظر میں حلاج کا قصور یہ نہیں تھا کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیوں کیا ہے بلکہ قصور یہ تھا کہ اس نے اس راز کو فاش کیوں کیا؟ بعینہ یہی معاملہ شیخ اکبر کا ہے صوفیا میں کسی نے بھی کھل کر شیخ کو

کی تردید نہیں کی۔ ان میں سے جو بزرگ وحدت الوجود کو اسلامی تعلیم کے خلاف سمجھتے ہیں تو وہ تاویل و تعبیر کے ہر ممکن پہلو سے اپنے شیخ اکبر کی حمایت و دفاع میں کوشاں رہتے ہیں۔ چنانچہ دورِ متاخرین میں سے اشرف علی تھانوی نے ایک کتاب "التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن عربی" لکھ کر یہی خدمت سرانجام دی۔ آپ اس کتاب سے پہلے فصوص الحکم کی شرح بنام خصوص الکلم لکھنا چاہتے تھے۔ جس کو الحل الاقوم کی صورت میں بعض مقامات کی شرح کر کے چھوڑ دیا گیا۔ اس کی وجہ آپ یہ لکھتے ہیں کہ

فصوص سے توحش اور اس کی شرح کا ترک

"اس شرح و حل کے لکھنے کے زمانہ میں مجھ کو جو توحش و انقباض ان مضامین سے ہوتا تھا۔ عمر بھر یاد رہے گا۔ بعض مقامات پر قلب کو بے حد تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ کہیں کہیں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور یہی وجہ تھی اس شرح کے چھوڑ دینے کی"

"یہ توحش و انقباض ایسا شدید تھا کہ پھر حضرت (اشرف علیؒ) اس کام کے لئے سال ہا سال طبیعت کو رجوع نہ فرما سکے۔ بالآخر سات سال بعد التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن عربی کے نام سے ایک کتاب مستقلاً شیخ کی تبرید و حمایت میں سپردِ قلم کی" (تجدید تصوف و سلوک ص ۴۰۸)

عفیف الدین تلمسانی

پھر کچھ بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں جو فصوص الحکم کو سبقاً پڑھایا کرتے تھے۔ انہیں میں سے ایک عفیف الدین تلمسانی ہیں۔ فصوص الحکم کی شرح کیا کرتے تھے جب اس کے خلاف شریعت مسائل پر نکتہ چینی ہوتی تو معترضین پر کم علمی کا الزام لگاتے کبھی کبھی کفریہ اقوال بھی بک دیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ شیخ کمال الدین ابن المراغی کو ابتداء میں تلمسانی سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ان سے فصوص الحکم پڑھنے لگے۔ اثنار درس میں کمال الدین نے فصوص الحکم کی بعض قابلِ اعتراض باتوں پر گرفت کی اور کہا کہ یہ قرآن و حدیث کے صریح ارشادات کے خلاف ہیں۔ تو ایک مرتبہ تلمسانی کو بہت سخت غصہ آگیا اور کہا: بار بار قرآن و حدیث کا کیا حوالہ دیتے ہو۔ انہیں اٹھا کر دروازے سے باہر پھینکو اور یہاں صاف دل ہو کر آؤ کہ تمہیں توحیدِ خالص ملے۔

تلمسانی کی باتوں سے کمال الدین کے دل کو سخت ٹھیس لگی۔ وہ فوراً ان کی مجلس سے چلے آئے تلمسانی کو خطرہ لاحق ہو گیا کہیں یہ بات عام لوگوں میں نہ پھیل جائے۔ اور ان کے خلاف کوئی زبردست ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے تو روتے ہوئے کمال الدین کے پاس آئے اور انہیں راضی کیا۔

شیخ کمال الدین ہی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ شیخ تلمسانی نے کہا "قرآن میں توحید ہے کہاں؟ وہ تو پورے کا پورا شرک سے بھرا ہوا ہے۔ جو شخص اس کا اتباع کرے گا وہ کبھی توحید کے بلند مرتبے پر نہیں

پہنچ سکتا ؟"

شیخ کمال الدین نے ایک مرتبہ اعتراض کیا کہ اگر عالم کی تمام اشیاء ایک ہیں جیسا کہ تمہارا عقیدہ ہے تو پھر تمہارے نزدیک جورو، بیٹی اور ایک اجنبی عورت میں کیا فرق ہے ؟ تلمسانی نے جواب دیا " ہمارے ہاں تو کوئی فرق نہیں - چونکہ ان محجوبوں (اہل شریعت) نے ان کو حرام قرار دیا ہے تو ہم بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیزیں تم پر حرام ہیں - ورنہ ہم پر کوئی چیز حرام نہیں "(امام ابن تیمیہ ، مصنفہ کوکن عمری ایم اے ص۳۲۱)

ملاحظہ فرمایا آپ نے اس نظریہ وحدت کی زد کہاں کہاں تک جا کر پڑتی ہے ۔

ابن عربی سے پہلے کے سابقین الاولین

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے وحدت الوجود کے نظریہ کے مطابق کائنات کی ہر چیز چونکہ خدا کا حصہ ہے ۔ لہذا اس پہلو سے ایک شریف اور بدمعاش، آدمی اور گدھا، کتے اور پرند سب برابر ہیں ۔ اب دیکھئے یہی عقیدہ ابن عربی سے پہلے صوفیہ میں پایا جاتا تھا۔

ابو النصر سراج طوسی (م ۳۷۰ھ) کی کتاب " اللمع فی التصوف" اس موضوع پر ایک مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کے صفحہ ۴۹۵ پر مذکور ہے :

ابو حمزہ صوفی کو حارث محاسبی کے گھر جانے کا اتفاق ہوا - حارث کی بکری نے ہیں ہیں کیا تو ابو حمزہ صوفی ہچکیاں لینے لگا اور اس بکری سے مخاطب ہو کر کہا ،

"لبیک یا سیدی" (میرے آقا ! میں حاضر ہوں)"

اس پر حارث محاسبی نے ٹوکا تو ابو حمزہ نے جواب دیا " معلوم ہوتا ہے ، تم ابھی تصوف کے میدان میں مبتدی ہو "

اب دیکھئے حارث محاسبی جنید بغدادی کے ہم عصر ہیں ۔ ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے ۔ (رمضان حق ص۱۹۴) اور جنید بغدادی کا سن وفات بالاتفاق ۲۹۸ھ ہے اس واقعہ میں ابو حمزہ حارث محاسبی کو یہ فرما رہے ہیں کہ "تم ابھی معلوم ہوتا ہے وحدت الوجود کی حقیقت کو پوری طرح نہیں سمجھے "

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ کتاب مذکور کے صفحہ ۴۹۲ پر درج ہے ۔

ابو الحسن نوری نے ایک کتے کو بھونکتے دیکھا تو کہنے لگا " لبیک وسعدیک "

یہ بزرگ جو کتے کے بھونکنے کو خدا کی پکار قرار دے کر جواب دے رہے ہیں یہ سری سقطیؒ کے مرید اور جنیدؒ کے ہم صحبت تھے ۔ رمضان حق ص۱۹۴) اور سری سقطیؒ کا سن وفات ۲۵۹ھ ہے جن کے یہ مرید تھے پھر یہ شیخ جنید بغدادیؒ بھی اس عقیدہ سے سخت متاثر تھے ۔ شیخ عبدالغنی نابلسی (م ۱۱۴۳ھ) اپنی

کتاب الفتح الربانی ص۴۹ میں ایک واقعہ درج کرتا ہے کہ :-

"جنید بغدادیؒ کہتے مجھے کسی چیز سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا مجھے ایک شعر سننے سے ہوا۔ میں سڑک پر جا رہا تھا۔ تو ایک شاعر یوں کہہ رہا تھا ؎

وا اذا قلت ما ذنبی ایک ؟ اجبتنی — جب میں پوچھتا ہوں کہ میرا گناہ کیا ہے تو مجھے

وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب — جواب ملتا ہے کہ تیرا اپنے وجود کو الگ سمجھنا ہی ایسا گناہ ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہیں۔

پھر جنید بغدادی کے مرید شبلیؒ اور منصور حلاج (م ۳۰۹ھ) اس وحدت وحلول کے معاملہ میں ایک دوسرے کے ہمراز و ہم خیال تھے۔ جب منصور کو تختہ دار پر کھینچا جانے لگا تو پہلے اس پر پتھر برسائے گئے۔ علماء و بزرگانِ دین آئے مگر شبلیؒ نہیں گئے بالآخر لوگوں کے مجبور کرنے پر انہیں جانا پڑا۔ اس موقع پر صاحبؒ مقربانِ حق ص ۱۴۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔

نقل ہے کہ جب آپ (حلاج) کو سنگسار کیا جا رہا تھا تو حضرت شبلیؒ نے ذرا سا پتھر اٹھا کر آپ کو مارا۔ آپ نے آہ کی لوگوں نے کہا، کسی بڑے پتھر پر تو آپ نے آہ نہیں کی لیکن اس ذرا سے ڈھیلے پر درد محسوس کیا، فرمایا لوگ نہیں جانتے کہ مجھے نہیں مارنا چاہیئے مگر شبلی جانتا ہے۔ اس دوست کا ناروا فعل باعث درد ہوا"

غرض اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن میں تصوف کے ان سابقین الاولین میں وحدت الوجود کے نظریات ملتے ہیں۔ تاہم ان رازہائے دروں کو سب سے پہلے جس شخص نے تحریری صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا وہ ہمارے امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) ہیں۔ یہ قرآن وسنت اور فلسفہ ومنطق کے بڑے متبحر عالم تھے۔ فلسفہ کی رو سے پہلے ہی یہ وحدت الوجود[1] کو ایک حقیقت سمجھتے تھے۔ لیکن مشاہدہ نہیں تھا۔ لہٰذا ایک مدت بے قرار اور پریشان رہنے کے بعد خود راہِ سلوک پر چل کھڑے ہوئے اور گیارہ سال کی ریاضت ومجاہدہ کے دوران اس نظریہ وحدت کو برحق پایا۔ یوں ساری داستان انھوں نے خود ایک رسالہ المنقذ من الضلال لکھ کر بیان کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔

امام غزالیؒ کی توحید

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ توحید کی دو قسمیں ہیں۔ ایک توحید عوام کی، دوسرے خواص کی لا الٰہ الا اللہ عوام کی توحید ہے۔ اور لا ھو الا ھو (نہیں مگر وہی) خواص کی توحید ہے۔ کیونکہ وہ عام ہے اور یہ خاص، اور یہ زیادہ شامل، زیادہ لائق اور زیادہ دقیق ہے۔ اور اس کے ماننے

---

[1] وحدت الوجود کا مسئلہ خالص کلام اور فلسفہ کا مسئلہ ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

والے کو فردانیت میں زیادہ دخل کرنے والا۔ مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت ہے " (ترجمہ مشکوٰۃ الانوار، مصنفہ امام غزالی صت ۳۲)

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

(ا) حضور اکرمؐ، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وغیرہ سب عوام کا کلمہ توحید پڑھتے رہے، لہٰذا وہ خواص کے زمرے سے باہر ہیں۔

ب۔ خواص کا کلمہ توحید نظریہ وحدت الوجود ہے اور یہ کلمہ "نہیں مگر وہی" زیادہ شامل اور زیادہ ٹھوس ہے

ج۔ اب سمجھے کہ فردانیت، جو مخلوقات کی معراج ہے، وہ کیا شے ہے؟ یعنی خالق و مخلوق اور عبد و معبود میں کوئی دوئی باقی نہ رہے اور یہ نظریہ اس آفاقی مذہب کے تینوں نظریات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

امام غزالی کے بعد وحدت الوجود کا مسئلہ صوفیہ میں متفق علیہ قرار دیا گیا۔ تاہم اس نظریے کو بقائے دوام شیخ اکبر ہی کی کوششوں سے ہوا۔ چنانچہ آج تک صوفیہ میں یہ مسئلہ مسلّم چلا آرہا تھا، تا آنکہ مجدد الف ثانیؒ نے اس سے اختلاف بھی کیا اور اس کی تردید کی۔ جس کی وضاحت ہم آگے وحدت الشہود کے بیان میں کریں گے۔ سر دست یہ کہنا مقصود ہے کہ آج بھی اکثر صوفیہ اس پر ایسے ہی ایمان رکھتے ہیں۔ جیسے کہ ابن عربی اور ان کے خوشہ چینوں کا تھا۔ چنانچہ دورِ متاخرین کے صوفی حکیم الامت اشرف علی تھانوی اپنی تصنیف امداد المشتاق، ملفوظات امداد اللہ مہاجر مکی (جو ان کے پیر ہیں) کے صفحہ ۱۱۰ پر ایک ایسے بزرگ کا واقعہ درج فرماتے ہیں۔ جس نے وحدت الوجود کی اس تعبیر کو کائنات کی ہر چیز خدا کا حصہ اور بلحاظ درجہ برابر ہے۔ پاخانہ (نجاست) کھا کر عملاً صحیح ثابت کر دکھایا۔

"۲۲۴۔ فرمایا کہ ایک موحد (یہاں موحد سے مراد وحدت الوجود کا قائل ہے۔) سے لوگوں نے کہا کہ اگر حلوا و غلیظ ایک ہیں تو دونوں کھاؤ۔ انھوں نے بشکلِ خنزیر ہو کر گوہ کھا لیا۔ پھر بصورت آدمی ہو کر حلوا کھا لیا۔ اس کو حفظ مراتب کہتے ہیں جو واجب ہے۔

"(حاشیہ) قولہٗ: انھوں نے بشکلِ خنزیر ہو کر گوہ کھا لیا۔ اقولُ: اس معترض کی غباوت کے سبب اس تکلف و تصرف کی ضرورت پڑی ورنہ جواب ظاہر ہے کہ اتحاد مرتبہ حقیقت میں ہے۔ نہ کہ احکام و آثار میں ۱۲"

ملاحظہ فرمائیے پیر و مرشد دونوں کا اس نظریہ پر کیسا پختہ ایمان ہے۔ اور ان کی نظروں میں موحد وہ شخص ہے جو (۱) وحدت الوجود کا قائل ہو۔ (۲) حتیٰ کہ حلال و حرام کی تمیز بھی نہ کرے اور (۳) اپنی شکل

تبدیل کرنے پر بھی قادر ہو۔

نظریہ وحدت الوجود کی تاریخ

ہم پہلے یہ بتلا چکے ہیں کہ یہ نظریہ خود اسلام کے وجود میں آنے سے ہزارہا سال پہلے ہندوؤں کے اُپنشدوں میں موجود تھا اور ایک اقتباس بھی پیش کر چکے ہیں۔ آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے کرشن نے جو ہندوؤں کے سب سے بڑے اوتار ملنے جاتے ہیں۔ (جیسے ہمارے منصور حلاج سمجھے یا جیسے حضرت علیؓ کے متعلق خیال کیا گیا۔) مہابھارت یعنی کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ میں پانڈوؤں کو اس کا اپدیش دیا تھا جو آج بھی گیتا کے صفحات میں موجود ہے۔ اسی طرح یہ نظریہ دوسرے مذاہب میں پایا جاتا تھا۔ تو جب عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں (یعنی دوسری صدی ہجری کے وسط میں) یونانی، لاطینی اور سنسکرت کی بے شمار کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں ہونے لگا۔ تو ان کتابوں میں وحدت الوجود اور تصوف کے بے شمار مسائل پر بحث موجود تھی انہی نظریات و مسائل سے ہمارے صوفیہ نے بھی متاثر ہونا شروع کیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۵۰ھ سے پہلے ایسے زاہد قسم کے لوگوں کو زہاد، عباد یا صالحین کہا جاتا تھا۔ صوفی یا تصوف کے نام سے واقف تک نہ تھا۔ اور فن تصوف کی اصطلاحات اور اسرار و رموز تو بہت بعد کی پیداوار ہیں۔

چنانچہ ہارون الرشید (۱۴۷-۱۷۰ھ) کے دور کے بعد فلسفہ و منطق کے دوسرے مسائل و نظریات کی طرح گیان دھیان اور رہبانیت کے مسائل و نظریات بھی ہمارے صوفیہ میں داخل ہوئے۔

فلسفہ اور وحدت الوجود ہم پہلے باب میں واضح کر چکے ہیں کہ وحی الٰہی سے بے نیاز ہو کر انسان نے محض اپنی عقل یا وجدان کے بل بوتے پر کائنات کا معمہ حل کرنے کی کوشش کی ہے تو اس میں ہمیشہ ٹھوکریں ہی کھائی ہیں۔ اب اتفاق کی بات ہے کہ وحدت الوجود کا مسئلہ عقل یا فلسفہ کا مسئلہ بھی ہے۔ اور وجدان یا تصوف کا بھی۔ بالفاظ دیگر یہ خالص مادہ پرستانہ فلسفہ بھی ہے اور صوفیہ کا روحانی مسئلہ بھی اور ان دونوں کا اس مسئلہ پر اتحاد و اتفاق بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ وحی الٰہی سے متصادم ہے۔

اب دیکھئے کہ مادہ پرست کہتے ہیں کہ وجود ایک ہے جو ازلی ابدی ہے اور وہ مادہ ہے جس کو فنا نہیں۔

اور وجودی کہتے ہیں وجود ایک ہے جو ازلی ابدی ہے اور وہ اللہ ہے جس کو فنا نہیں۔

اسی طرح مادہ پرست کہتے ہیں کہ مادہ میں جو تغیر و تبدل، حرکت اور صور و اشکال پائی جاتی ہیں وہ مادہ کا طبعی خاصہ ہے۔

اور وجودی کہتے ہیں کہ وجود میں جو تغیر و تبدل، حرکت اور صور و اشکال پائی جاتی ہیں۔ وہ اللہ کی تجلیات ہیں۔

اب ہم اگر اللہ کی جگہ مادہ اور تجلیات کی جگہ طبعی خاصہ کے الفاظ رکھ دیں تو دونوں کے جواب بالکل ایک ہیں۔ پھر وجودی چونکہ کائنات کو اللہ کا عین یعنی اللہ ہی مانتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات ہی ازلی و ابدی ہے۔ یعنی قدیم ہے حادث نہیں اور یہی مادہ پرست بھی کہتے ہیں۔

اس وحدت الوجود کے عین فلسفہ کا مسئلہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ کالجوں میں فلسفہ کے مضمون میں یہ مسئلہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ حقیقت وحدت الوجود کے مصنف عبدالحکیم انصاری اس کتاب کے صلا پر ایک لطیفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"میرے ایک دوست جو فلسفہ کے ایم اے ہیں ایک دن مجھ سے وحدت الوجود پر گفتگو کر رہے تھے۔ جب میں نے ان کو ہر طرف سے لاجواب کر دیا تو کہنے لگے "جو کچھ بھی ہو، مجھ کو تو اگر ایک سیکنڈ کے لئے یقین آجائے کہ میں خدا نہیں ہوں تو میں فوراً مر جاؤں"۔ میں نے جواباً کہا۔ سبحان اللہ! آپ بڑے اچھے خدا ہیں کہ آپ کو موت بھی آسکتی ہے"۔

تصوف اور وحدت الوجود

بعینہٖ اسی طرح کا لطیفہ ایک صوفی کے متعلق اسی کتاب کے صفحہ ۶۰، ۶۱ پر تحریر کرتے ہیں۔

ایک ہمارے چشتیہ خاندان کے پیر بھائی تھے جو صوفی جی کے نام سے مشہور تھے۔ وہ صاحب اجازت تھے اور ان کے بہت سے مرید تھے۔ ایک دن میرے پاس آئے نوش کر چائے پینے لگے۔ چائے پیتے پیتے صوفی جی کے چہرے پر کیفیت کے آثار نمایاں ہوگئے۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں لال لال ڈورے ابھر آئے۔ پھر کچھ نشہ کی سی حالت طاری ہو گئی۔ یکایک صوفی جی نے سر اٹھایا اور کہنے لگے "بھائی جان! میں خدا ہوں"۔ اس پر میں نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اور صوفی جی سے کہا آپ اگر خدا ہیں تو اس کو جوڑ دیجئے"۔ صوفی صاحب نے دونوں ٹوٹے ہوئے ٹکڑے ملا کر ان پر توجہ فرمائی، لیکن کیا بننا تھا۔ ساتھ ہی ان کی وہ

کیفیت بھی غائب ہوگئی۔ جس کی وجہ سے وہ خدائی کا دعویٰ کر رہے تھے:

"اس پر صوفی جی کہنے لگے، پھر آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ میں نے پوچھا کیا۔ بولے یہی وحدت الوجود۔ میرے خیال میں یہ سب ایک کیفیت ہے، حقیقت نہیں ہے"۔ میں نے کہا "واقعی آپ نے پتہ کی بات کہی ہے۔ وحدت الوجود ایک بہت بڑی کیفیت ہے حقیقت نہیں ہے"۔ صوفی جی نے کہا تو کیا حضرت ابن عربی جیسے عظیم بزرگ نے بھی غلطی کی ہے۔ میں نے جواب دیا۔ ابن عربی نبی تو نہیں ولی ہی تھے اور اولیاء سے غلطی ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن میرے خیال میں حق یہ ہے کہ انھوں نے غلطی نہیں کی بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی جیسی کہ آپ کو ابھی اپنے بارے میں ہوئی تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپ کی کیفیت چند لمحوں کے لئے تھی اس لئے غلط فہمی بھی چند لمحے رہی۔ لیکن ابن عربی چونکہ اپنے سلوک کے اختتام پر آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے۔ اس لئے ان کی غلط فہمی دور نہیں ہوئی"۔

یہ ہیں ذاتی تجربات و خیالات خواجہ عبدالحلیم انصاری، نقشبندی، مجددی، توحیدی صاحب کے جو بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ ہیں اور جنہیں دعویٰ ہے کہ وسلوک کی تمام منازل طے کر چکے ہیں۔

اسی طرح ایک دوسرے عبدالباری صاحب سابق استاذ فلسفہ و دینیات عثمانیہ یونیورسٹی ہیں جو تجدید تصوف و سلوک کے مصنف بھی ہیں اور مرتب بھی۔ وہ اس کتاب کے صفحہ ۱۶۳ پر لکھتے ہیں

"راقم احقر پر کچھ تو ہمیشہ عقلیت و تفلسف کا غلبہ رہا۔ پھر کڑوا کریلا نیم چڑھا کہ ساری عمر فلسفہ کے مطالعہ اور تعلیم و تعلم کا مشغلہ رہا اور فلسفہ دراصل نام ہے وحدت الوجود ہی کی تاریخ کا۔ یعنی عالم کثرت کے بعد وحدت کو معلوم کرنے کی فکری و عقلی سعی و طلب کا لیکن متعارف اور اصطلاحی وحدت الوجود کا نام زیادہ تر تصوف کے سلسلے میں پڑھنے اور سننے میں آتا رہا"..... "حضرت مجدد تھانویؒ کی اس مجددانہ تحقیق و توثیق سے بڑا اطمینان ہوا۔ کہ یہ مسئلہ دراصل ایک علمی و کلامی مسئلہ ہے۔ اور اسلامی تصوف کا کوئی خاص جزو نہیں اور نہ اس اعتبار سے اس بحث کی وہ حیثیت رہ جاتی ہے کہ اسلامی تصوف میں یہ مسئلہ باہر سے داخل ہوا۔ نہیں۔ بلکہ اس کی غالیانہ تعبیرات یقیناً بیرونی اثرات کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں"۔

اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۳ پر اپنے مرشد تھانویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود مسائل کشفیہ ہیں۔ ایسے ظنی اور احتمالی مسئلہ کی کسی خاص تعبیر کو کھینچ تان کر قرآن و حدیث کی نصوص سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا بڑی جسارت اور خطرہ کی بات ہے جس میں تحریف تک کا غلو لوگوں نے کیا۔"

اب دیکھئے کہ یہی مجدد علیہ الرحمۃ تھانوی صاحب جو تصوف و سلوک کی تجدید کرنا چاہتے ہیں۔ اور علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی راہوں میں افراط تفریط کی نشاندہی کر کے کچھ علماء کو سمجھانا چاہتے ہیں، کچھ تصوف کے داغ دھونا چاہتے ہیں۔ وحدت الوجود اور شہود کے کشف کو ظنی اور غیر منصوص قرار دے رہے ہیں۔ پھر آخر کیا مجبوری تھی کہ آپ نصوص الحکم کی شرح خصوص الکلم محض اس خیال سے لکھنے بیٹھ گئے کہ جہاں جہاں اس میں قرآن و سنت کے خلاف واضح باتیں ہیں ان کی تاویل کر کے ابن عربی کے دامن کو پاک کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں سات سال تک آپ کی طبیعت میں سخت انقباض پیدا ہوا اور بالآخر وہ کام نہ ہو سکا تو ابن عربی کی تنزیہہ ہی چھاپ دی۔ کہ اس کے خلافِ شریعت اقوال کے مقابلہ میں اقوال مطابق شریعت درج کر کے ابن عربی کی صفائی پیش کی جا سکے۔ اس نظریہ کے اثرات جو دنیائے اسلام پر مرتب ہوئے وہ تو سب کو معلوم ہیں۔ پھر بھلا ایسا شخص اس کرم فرمائی کا مستحق تھا؟ کیا یہ بات مجدد علیہ الرحمۃ کی جادۂ سلوک پر گامزن ہونے کی وجہ سے ابن عربی کی صریح جانبداری پر دلالت نہیں کرتی؟

اب اس کشفی، ظنی اور غیر منصوص مسئلہ کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے والوں کے دلائل بھی دیکھیے۔ جنہیں مجدد صاحب خطرناک غلطی قرار دے رہے ہیں۔[1]

وحدت الوجود اور شرعی دلائل

(۱) قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے یہ مسئلہ ثابت کیا جاتا ہے۔ ذرا غور سے ان کا مفہوم اور تاویلات ملاحظہ فرماتے جائیے۔

۱۔ سب سے پہلے تو کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ پر ہی ہاتھ صاف کیا جاتا ہے اور اس کے معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود مگر وہ اللہ ہی تو ہے۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ کے بجائے لا الٰہ الا ھو اللہ کا مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔ بس اب معاملہ ہی صاف ہے۔ کسی بت کو سجدہ کر دیا درخت یا کسی پتھر یا سورج کو جسے بھی سجدہ کرو گے وہ اللہ ہی ہے کیونکہ اللہ کا ہی حصہ ہے۔

۲۔ اسی طرح آیت وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (۱۷/۲۳) کا واضح مفہوم تو یہ ہے کہ تیرے

---

[1] حقیقت وحدت الوجود، خواجہ عبد الحکیم انصاری۔

رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرنا، کا مفہوم یہ لیا گیا کہ تم جس کی عبادت کرو وہ وہی تو ہے۔ (۳) اینما تولوا فثم وجہ اللہ (۲/۱۱۵) تم جس طرف بھی منہ کرو گے اسی طرف اللہ ہے۔ اس کے معنی خواجہ حسن سنجری یوں فرما رہے ہیں:

کافراں سجدہ کہ بر روئے بتاں می کردند　　　ہمہ رُو سوئے تو بود و ہمہ سو رُو سے تو بود

یعنی کافر جو بتوں کو سجدہ کرتے ہیں تو ان کا منہ تیری طرف ہوتا ہے کیونکہ ہر طرف تیرا ہی چہرہ ہی ہوتا ہے۔

اب دیکھئے جب ذہن اس قدر ٹیڑھا اور دور از کار تاویلات پر آمادہ ہو جائے تو پھر تو سارے قرآن سے ہی سب کچھ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کی چند آئتیں اور بھی پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً (۴) ھو الاول والاخر والظاھر والباطن وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے۔ وہی باطن ہے۔ اس آیت کے معنی بھی وجودی حضرات یہی کرتے ہیں کہ وجود صرف ایک ہے اور وہی اللہ ہے

(۵) اللہ نور السموت والارض اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یعنی اللہ ہی کی وجہ سے تمام کائنات منور ہے یہی معنی تمام مفسرین نے کئے ہیں۔ وجودی اس کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ آسمان و زمین اللہ ہی کا نور یا اس کی تجلیات ہیں۔

(۶) نفخت فیہ من روحی میں نے آدم میں اپنی روح سے پھونکا۔ وجودی اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ خدا نے اپنی روح آدم میں پھونک کر فرشتوں کو سجدہ کروایا۔ تو وہ انسان گویا خدا ہی ہے اب سوال یہ ہے کہ اگر تمام جانداروں میں اللہ تعالیٰ اپنی روح کے حصے پھونکتے جائیں تو ایسے خدا کا تصور اسلام میں موجود نہیں۔ اس کا صحیح مفہوم ہم ان شاء اللہ روح کی بحث میں بیان کریں گے۔

ب: اب احادیث کی طرف آیئے۔ اتحاد و حلول جیسے مشرکانہ عقائد کے حق میں جو حدیث بڑے زور شور سے پیش کی جاتی ہے وہ بخاری کی درج ذیل قدسی حدیث کتاب الرقاق میں مذکور ہے جسے ہم علامہ وحید الزمان صاحب تیسیر الباری کے ترجمہ اور حاشیہ کے ساتھ بلا کم و کاست پیش کرتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ جل جلالہٗ
اللہ قال من عادی لی ولیاً فقد اٰذنتہٗ	ارشاد فرماتا ہے جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں
بالحرب وما تقرب الیّ عبدی بشیئ فما	اس کو یہ خبر کئے دیتا ہوں کہ میں اس سے لڑوں گا اور
افترضت علیہ وما یزال عبدی یتقرب الیّ	میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے۔

لہ "حقیقت وحدت الوجود"، خواجہ عبد الحلیم انصاری۔

بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده الذی یبطش بها ورجله والذی یمشی بها وان سالنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه وما ترددت عن شئ انا فاعله ترددی عن نفس المومن یکره الموت وانا اکره مساءته

ان میں سے کوئی عبادت مجھ کو زیادہ پسند نہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ اور میرا بندہ (فرض ادا کرنے کے بعد) نفلی عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پھر تو یہ حال ہوتا ہے کہ میں ہی اس کا کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پاؤں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسکو دیتا ہوں وہ اگر کسی (دشمن یا شیطان) سے میری پناہ چاہتا ہے تو اس سے محفوظ رکھتا ہوں[2] اور مجھ کو کسی کام میں جس کو میں کرنا چاہتا ہوں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا اپنے مسلمان بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے تو وہ موت کو (بوجہ جسمانی تکلیف) برا سمجھتا ہے اور مجھ کو بھی اس کو تکلیف دینا برا لگتا ہے۔

گویا جو حدیث اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کی جاتی ہے اسی میں اس کا رد ہے اور جس حصہ میں رد ہے وہ عموماً پڑھی نہیں جاتی۔

۲۔ دوسری حدیث جس سے وحدت الوجود کا استدلال کیا جاتا ہے، کا ایک ٹکڑا ہے انا عند ظن عبدی بی یعنی میں (اللہ) اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔ وجودی کہتے ہیں کہ اگر ہم کسی بت کو بھی یہ گمان کر کے پوجیں کہ فی الحقیقت ہم اللہ کو پوجھ رہے ہیں تو وہ اس حدیث کی رو سے اللہ ہی کو سجدہ ہوگا۔ یہ ایسا استدلال ہے جو ساری اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اور اس کے لئے کوئی قرینہ بھی نہیں۔

حدیث کا مطلب صاف ہے کہ خوف اور امید میں سے جس پہلو کا انسان اللہ سے زیادہ ظن

---

[1] اس حدیث کا یہ مطلب یہ نہیں کہ بندہ عین خدا ہو جاتا ہے۔ جیسے معاذ اللہ حلولیہ اور اتحادیہ کا دعویٰ ہے۔ کہاں خدا اور کہاں بندہ۔ بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ میری عبادت میں غرق ہو جاتا ہے اور مرتبہ محبوبیت پر پہنچتا ہے تو اس کے حواس ظاہری اور باطنی سب شریعت کے تابع ہو جاتے ہیں۔ وہ ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ سے وہی کام لیتا ہے جس میں میری مرضی ہے خلافِ شریعت اس سے کوئی کام سرزد نہیں ہوتا۔

[2] اس فقرے سے حلولیہ اور اتحادیہ کا رد ہو گیا۔ اگر بندہ عین خدا ہوتا تو پھر دعا قبول کرنے اور پناہ دینے کے معنی نہیں بنتے۔ (وحید الزمان)

رکھے گا۔ خدا اس سے ویسا ہی برتاؤ کرے گا۔ لیکن یہ نہ ہونا چاہیے کہ ایک پہلو سے انسان بیخبر غافل رہے بموجب ارشاد باری تعالیٰ والذین یدعون ربھم خوفا وطمعا (پ۵۵) پھر خوف اور طمع یا بیم و رجا میں سے جونسا پہلو انسان کی طبیعت پر غالب رہے گا۔ اللہ اس سے ایسا ہی معاملہ کریگے

اس کے علاوہ کئی وضعی احادیث اور صوفیاء کے احادیث سے ملتے جلتے مقولے مثلاً من عرف نفسہ فقد عرف ربہ بھی اس ضمن میں پیش کئے جاتے ہیں لیکن چونکہ علمی اعتبار سے ایسی چیزوں کا کوئی مقام نہیں۔ لہذا بغرض اختصار یہاں ہم انہیں نظرانداز کر رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ مناسب مقامات پر انشاء اللہ پیش کئے جائیں گے۔

خریدار حضرات متوجہ ہوں

● بہت سے احباب کی مدت خریداری اس شمارے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ بطور اطلاع ان کے نام آنے والے پرچے پر "آپ کا چندہ ختم ہے" کی مہر لگا دی گئی ہے۔ اپنا پرچہ چیک کرلیں اور نوٹ فرمالیں کہ اس اطلاع کے بعد، پندرہ دن کے اندر اندر، آئندہ خریداری جاری رکھنے کی صورت میں سالانہ زرتعاون بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادیں یا اگلے ماہ کا شمارہ) بذریعہ وی پی پی وصول کرنے کے لئے تیار رہیں —— اور اگر خدانخواستہ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنے کی صورت میں دفتر کو اطلاع دیں کہ وی پی پی روانہ نہ کیا جائے۔

یاد رکھئے! وی۔پی۔پی واپس کرنا اخلاقی جرم ہے

● بعض اوقات تازہ پرچہ محفوظ رکھنے کی خاطر وی پی پیکٹ میں پرانا پرچہ ارسال کر دیا جاتا ہے۔ اور وی پی پی وصول ہونے کے فوراً بعد تازہ پرچہ عام ڈاک سے روانہ کر دیا جاتا ہے۔ لہذا اسے کسی بددیانتی پر محمول نہ کیا جائے۔ والسلام!

(مینجر)